مقدمہ باغِ فدک

وہی مجرم، وہی منصف

مصنف عبدالکریم مشتاق

مقدمۂ باغِ فدک

وہی مجرم، وہی منصف

مصنف

عبدالکریم مشتاق

ناشر

رحمت اللہ بک ایجنسی ناشران وتاجران کتب

بمبئی بازار نزد خوجہ شیعہ اثنا عشری مسجد کھارادر کراچی ۲

نام کتاب ——— مقدمہ باغ فدک
المعروف ——— وہی مجرم، وہی منصف
مصنف ——— عبدالکریم مشتاق
کتابت ——— دارالکتابت مسافرخانہ
تعداد اشاعت ——— پانچ سو ۵۰۰
مطبع ——— الناظر پریس کراچی
قیمت ———

شائع کردہ
رحمت اللہ بک ایجنسی ناشران وتاجران کتب
بمبئی بازار نزد خوجہ شیعہ اثنا عشری مسجد کھارادر کراچی ۲

کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے لیکن جب حاکم عدالت کسی معاملہ سے بخوبی واقف ہو تو اسے نہ ہی شہادت کی ضرورت ہے اور نہ ہی نصاب کے پورا کرنے کی۔ اس مقدمہ میں حضرت علی، رباح، ام ایمن، ام کلثوم، حسن اور حسین شہادت میں پیش ہوئے۔ لیکن بعض نے عذر تراشا ہے کہ یہ گواہ ایک ہی ساتھ پیش نہ ہوئے، بلکہ الگ الگ آئے۔ لیکن یہ بات مسلمہ ہے کہ حضرت علیؑ اور اُم ایمن ایک ہی وقت پر بطور گواہ پیش ہوئے۔ اور اصولی طور پر نصاب شہادت اُسی وقت پورا ہو گیا کیونکہ علیؑ ایک مرد اور اُم ایمن اور خود سیدہ طاہرہ دو عورتیں ہوئیں لہٰذا نصاب تو پورا ہوا اب یہ اعتراض بھی نہیں کیا جا سکتا کہ مدعی خود گواہ نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ یہ شکل اس وقت پیدا ہو سکتی ہے جب کوئی دوسرا دعویدار موجود ہو۔ یہاں تو کوئی ایسا فریق ہی نہیں ہے جو تردید کرتا ہو۔ اگر کوئی ایسا شخص موجود ہوتا جو یہ کہتا کہ میں حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ جناب رسولؐ خدا نے فدک اپنی بیٹی فاطمہؑ کو ہبہ نہیں کیا تو پھر مدعیہ کا بیان اور مدعا علیہ کا انکار ایک دوسرے کو رد کر دیتے اب ایسی صورت میں نصاب شہادت طلب کیا جا سکتا تھا۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی اور ہے حضرت ابوبکر خود کو حاکم تصور کئے ہوئے ہیں اور حاکمانہ ذہنیت سے ایک جانی بوجھی حقیقت سے انجان بن بیٹھے ہیں اور بلا اختیار وجواز گواہ طلب کر رہے ہیں سیدھی سی بات ہے جب دعویٰ کی تردید نہیں اور مدعیہ کے بیان کے برخلاف اور کوئی دوسرا بیان نہیں ہے تو پھر کیوں کر مدعیہ کو بطور گواہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا تھا۔

حضرت علیؑ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کی گواہی کو ملا کر بھی شہادت کا نصاب پورا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کوئی وجہ ضروری نہیں ہے کہ نابالغ شخص اگر صاحب عقل و تمیز ہے تو اس کی گواہی کو قبول نہ کیا جائے۔ حالانکہ حضرت عیسیٰؑ نے گہوارہ میں گواہی دی قرآن مجید ملاحظہ فرمالیں۔ اور حضورؐ نے میدان مباہلہ میں ان ہی نابالغ بچوں کو گواہ بنایا۔

اولاد کی شہادت والدین کے حق میں قابل قبول نہیں ہے

یہ قانون بھی الٹا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں کوئی ایسا حکم نہیں ہے جس کی رُو سے اولاد کی

شہادت والدین کے حق میں قابل قبول نہ ہو۔ بلکہ عصمت و پاکبازی کی شہادت اپنی والدہ معظمہ حضرت مریم بتول سلام اللہ علیہا کے حق میں اُن کے نابالغ فرزند حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارہ میں دی۔

اہل جماعت حکومت نے اپنے حکام سقیفہ کے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کی خاطر اسلامی احکامات کو مسخ کر دیا۔ اور حقیقی فقہ کو محض اپنی ذاتی و مادی منفعت کے لئے توڑ مروڑ لیا۔ انہی مذموم کوششوں میں سے ایک یہ بھی کلیہ وضع کر لیا گیا کہ قریبی رشتہ داروں کی گواہی کو ناقابل اعتبار سمجھا جائے تاکہ غیر مسلموں کو یہ کہنے کا موقعہ مل سکے کہ مسلمان ایسے بے اعتبار ہوتے ہیں کہ اُن کا بیان ان کے قریبی رشتہ داروں کے حق میں بھی قابل قبول نہیں ہوتا ہے۔ وقتی مصلحت کے تحت یہ اصول تو گھڑ لیا گیا مگر بہت جلدی اس کے عمل سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ حضرت ابوبکر کی شان کی اکثر احادیث بی بی عائشہ سے مروی ہیں لیکن وہاں بیٹی کی گواہی کو باپ کے حق میں قبول کر لیا جاتا ہے۔ اسی طرح عبداللہ ابن عمر کی اپنے باپ حضرت عمر بن خطاب کے حق میں بیان کردہ تمام باتیں قبول ہیں مگر اولاد رسولؐ کو اس سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ آج بین الاقوامی قانون کو دیکھو کہ انہوں نے فطرت انسانی کو یہ درجہ دیا ہے کہ نہ صرف اولاد کی اپنے والدین کے حق میں گواہی قبول کی جاتی ہے بلکہ خود نیک نام مدعی کا اپنا بیان بھی داخل شہادت ہو سکتا ہے۔ یہی وہ کمزوری ہے جس نے اسلام کے نظام کو فرسودہ اور ناکافی بنا کر رکھ دیا ہے۔ ورنہ حقیقی اسلام میں ایسے خرافات کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہ محض اندھی عقیدت اور اپنے بزرگوں کی ناجائز حمایت ہی کا نتیجہ ہے کہ جمہور کے تحفظ کی خاطر دین پر اعتراض کا خطرہ مول لیا جاتا ہے۔ الغرض اسلام کے سچے و عالمگیر قوانین میں یہ غیر فطری قانون ہرگز موجود نہیں ہے کہ اولاد اپنے والدین کی گواہی نہیں دے سکتی۔ یہ صریحاً کتاب خدا کے خلاف ہے۔

حضرات حسنینؑ اور ام کلثوم کم عمر تھے۔

کسی گواہ کا کم عمر ہونا کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ مانع شہادت ہو۔ جب کہ وہ عقل و تمیز بھی رکھتا ہو۔ اس کی

واضح مثال ہم نے جناب عیسیٰ کی قرآنی شہادت سے پہلے ہی نقل کر دی ہے۔ عام حالات میں بھی بچوں کو معصوم کہا جاتا ہے اور اُن کی بات کو اکثر قابلِ یقین سمجھا جاتا ہے کہ صغیر سن بلا خوف و خطر سچی بات کہہ دیتے ہیں۔ جس طرح امام حسنؑ نے حضرت ابوبکر کو منبرِ رسولؐ پر بیٹھے دیکھ کر فرما دیا تھا کہ میرے بابا کے منبر سے نیچے اترو اور اسی طرح امام حسینؑ نے حضرت عمر سے فرمایا تھا کہ میرے بابا کے منبر سے نیچے اُتر آ۔

پس دعویٰ سیدہؑ میں نہ ہی شہادت نامکمل تھی اور نہ ہی اس کا نصاب ادھورا تھا لیکن درحقیقت حکومت کا ارادہ یہی تھا کہ آلِ محمدؐ کو مالی لحاظ سے ضعیف رکھا جائے اور ان کو اس قدر دبا دیا جائے کہ وہ اپنے حق حکومت کی طرف نگاہ بھی بلند نہ کر سکیں اور دعویٰ استحقاقِ خلافت کو زبان پر نہ لا سکیں۔ اس بات کا مزید ثبوت حکومت کے اس عمل سے بھی حاصل ہوتا ہے کہ دیگر لوگوں سے ہبہ شدہ جاگیریں واپس نہ لی گئیں۔

دیگر افراد سے ہبہ شدہ املاک واپس نہ لی گئیں۔

ہم بیان صدر میں بتا چکے ہیں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی خاص ملکیت میں سے کچھ دیگر افراد کو بھی اراضیات ہبہ کی تھیں اور جائداد عطا فرمائی تھی ان میں خود حضرت ابوبکر، حضرت زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت ابودجانہ وغیرہم کے بارے میں روایات حاصل ہوتی ہیں۔ لیکن تعجب خیز امر ہے کہ حاکم وقت حضرت ابوبکر نے کسی بھی شخص سے یہ زمینیں واپس نہ لیں مگر صرف سیدہ طاہرہؑ کی املاک پر قبضہ کر لیا اور ان کو بے دخل کیا گیا۔

اگر حکومت کا عمل نیک نیتی پر محمول تھا تو پھر یہاں بھی مساوات و یکسانیت کا مظاہرہ درکار ہوگا۔

اگر حضرت ابوبکر بزعم خود جانشینِ رسولؐ تھے تو بھی اُن کو چاہیے تھا کہ صرف ان چیزوں کو اپنی نگرانی میں لیتے جو حضورؐ کے پاس بحیثیت بادشاہ حاکم و والی کے تھیں۔ جبکہ فدک آنحضرتؐ کے قبضہ میں نہ تھا بلکہ حضرت فاطمہؑ کے زیرِ تصرف تھا حضرت